Tauseef Khaloon
B.A Part-I (Hons)
Paper II
Deptt. - Urdu

# "انیس کا اسلوب"

"زبان کی شیرینی و لطافت، کلام کی صفائی و پختگی اور محاورے کا لطف انیس کے یہاں جس خوبی سے ملتا ہے اس کی نظیر دوسرے کے یہاں مشکل ہی سے ملیگی۔"
اس بیان کو پرکھئے۔

سبک ہو چلی تھی ترازوئے شعر
مگر میں نے پلہ گراں کر دیا

انیس کے مندرجہ بالا دعویٰ کو دلائل کی روشنی میں پرکھئے۔ میر انیس اردو مرثیہ نگاری کی تاریخ میں محتاجِ تعارف نہیں۔ یوں تو انیس کے قبل میر ضمیر میر خلیق اور خود انیس کے عہد میں دبیر کی مرثیہ گوئی کا بڑا غلغلہ تھا لیکن اس ماحول میں انیس نے جو اصل کارنامہ انجام دیا وہ یہ تھا کہ انہوں نے اردو زبان کو جامعیت و وسعت عطا کی اور اس کی شاعرانہ فضا میں بڑی دلکشی و رعنائی اور گہرائی پیدا کی۔ انہوں نے اپنی مرثیہ نگاری اس وقت شروع کی جبکہ لکھنؤ میں تکلف اور تصنع اپنی انتہا کو پہنچ رہے تھے۔ اس وقت ہمارے لکھنوی شعراء راگ تال سے بلبل کے پر نانرھنے میں مصروف تھے اور عاشق کی معیت کے لئے معشوق کے انچل کو کافی سمجھتے تھے۔ ان سب کے علاوہ رنڈی کی گندگی، اخلاقی ابتری نے اس واجد علی شاہی دور کے ادب کو بقول شخصے تقریباً دریا برد کرنے کے لائق بنا دیا۔ اس پورے ذلیل ماحول میں آتش کے بعد میر انیس کی ہی شخصیت اور شاعری تھی جس نے لکھنؤ کی انتہا پسندی میں اپنے لاکھوں اشعار کے ذریعے اردو شاعری کے دامن میں ازم اور نیچر کے جو گلہائے نایاب بکھیرے پیش کئے اور ان کی پیش کش میں جو اعلیٰ درجے کی شاعرانہ زبان استعمال کی اس کی عظمت سے آج بھی انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں انیس صدی کے موقع پر پروفیسر آل احمد سرور اپنی کتاب "صدا رنگی سفر" میں انیس کے کلام کو "جام جہاں نما" سے تعبیر کیا ہے اور فرمایا کہ "ہندوستانی تہذیب کے سادگی، عجم کا حسن، طبیعت اور عرب کے سوز و گداز کے تمام عناصر کو انیس نے فنکارانہ انداز میں جذب کیا ہے۔"
پروفیسر موصوف نے مزید فرمایا کہ اردو میں سب زیادہ الفاظ نظیر اکبر آبادی نے استعمال کئے ہیں مگر سب سے زیادہ شائستہ الفاظ انیس نے استعمال کئے ہیں اور یہ نکتہ ادب کی شریعت میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ الفاظ کی بندشوں کے سلسلے میں ان کے یہاں جو پھول کی مستی، مینا کاری اور فن کا

گہرا رچاؤ پایا جاتا ہے

یہاں یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ انیس کا خاندان دہلوی تھا اور تقریباً پانچ پشتوں سے مرثیہ کا فن انیس کو وراثت میں ملا تھا۔

بقول انیس ؎

~~عمر گذاری~~ عمر گزری ہے اسی دشت کی سیاحی میں
پانچویں پشت ہے شبیر کی مداحی میں

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انیس کے شاعرانہ کمال کو "موازنہ" میں بڑی تفصیل کے ساتھ پیش کیا ہے اور ان کی شاعرانہ انفرادیت اور عظمت کو کھول کر دکھایا ہے۔ انہوں نے اس سلسلے میں خصوصیت کے ساتھ مندرجہ ذیل سات نکات پر بہت زور ڈالا ہے۔

۱۔ انیس کا کلام فصیح اور بلیغ ہے وضاحت و بلاغت کے تمام محاسن ان کے کلام میں موجود ہیں۔
۲۔ کلام کی اصل ترتیب باقی رہتی ہے۔
۳۔ مضامین کے لحاظ سے الفاظ حسب موقع استعمال کرتے ہیں۔
۴۔ صحت مند الفاظ اور روزمرہ محاورے کے استعمال پر خاص توجہ دیتے ہیں
۵۔ ردیف و قافیہ اور بحر کا انتخاب بہت خوبی سے کرتے ہیں
۶۔ جذبات انسانی، واقعات نگاری، منظر نگاری میں خداداد صلاحیت رکھتے ہیں
۷۔ نادر تشبیہات و استعارات خوب استعمال کرتے ہیں۔

مذکورہ بالا خوبیوں اور رزم و بزم کے ولولہ انگیز واقعات سے شاعری کے ایسے کامیاب نمونے پیش کئے ہیں جس نے ہماری شاعری کے معیار کو کافی بلند کر دیا۔ ان کے کلام میں جو فصاحت و تازگی ہے اس پر انیس کو بجا طور پر فخر و ناز ہے۔ اردو الفاظ و لغات کی سجاوٹ اور نئے نئے محاوروں کی ایجاد میں انہیں کمال حاصل ہے۔ ان کی زبان دہلی اور لکھنؤ دونوں جگہ مستند مانی جاتی ہے۔ ہم انیس کو اردو شاعری کا ایک عظیم محسن مانتے ہیں۔ ان کے مراثی نے واقعہ کربلا کے سیاق و سباق میں جن عظیم انسانی احساسات و جذبات اور حق و باطل کی صبر آزما کشمکش کو شاعرانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ اس کے احساس سے اردو شاعری کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتی۔ مثلاً صبح کا سماں، طلوع آفتاب نسیم سحر کے خوشگوار جھونکے شام کے سہانے وقت، چاندنی

تو لطف یا تاریکی کے بھیانک منظر کو جب پیش کرتے ہیں تو ان میں عجیب دلکشی اور اثر انگیزی پیدا کرتے ہیں۔ گرمی کی شدت پیش کرتے ہیں میں شاعرانہ مبالغے کے باوجود نہایت پُر اثر منظر کھینچتے ہیں ؎

وہ لو وہ آفتاب کی شدت وتاب تب * کالا تمام رنگ دھوپ سے دن کا مثال شب
دہر علقمہ کے بھی سوکھے ہوئے تھے لب * جیسے تھے حبابوں کے تپتے تھے سب کے سب

اس طرح معرکہ میں حسین عمل رجز خوانی، حملہ آوروں کے حملے، پہلوانوں کی لڑائیاں اور میدان جنگ کا نقشہ اس طرح کھینچ دیتے ہیں کہ آج بھی کوئی شخص ان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس سلسلے میں ان کی مثنوی "جب کربلا میں داخلہ شاہ دیں ہوا" کا مطالعہ کافی ہو سکتا ہے۔ خصوصاً حضرت عباس پانی لاتے میں جس طرح شہید کئے جاتے ہیں۔ وہ منظر بڑا ہی عبرت انگیز ہے۔ انسانی نفسیات و جذبات کی پیشکش میں انہوں نے شہر کے ماحول اور اسکے مذہبی کوائف کو ہی ہمیشہ ملحوظ رکھا۔ بعض مرتبہ خواہ وہ انسان کے ہوں یا گھوڑے کے بڑی خوبصورتی سے کھینچتے ہیں۔ اور ان کی پیشکش میں وضاحت و بلاغت سلاست و روانی سادگی و پرکاری تشبیہات و استعارات کے حسن سے خوب خوب کام لیا ہے۔ ایک جگہ بجا طور پر یہ دعویٰ کرتے ہیں ؎

جب تک یہ چمک لہر کے پرتو سے نہ جائے
اقلیم سخن میری فلک رو سے نہ جائے

دیکھئے کہ حضرت عباس کے گھوڑے کے احساس و جذبات کو کس فنکارانہ انداز میں پیش کیا ہے۔

ہر بار کانپتا تھا شکمت تھا بند بند * چمکارتے تھے حضرت عباس ارجمند
مڑ جاتا تھا جگر کو سنبھالے تھا بار بار * گردن پھرا کے دیکھتا تھا منہ سوار کا

اور انیس کا یہ شعر حسن و تعلیل کا یہ محاورے کی طرح مشہور ہے

پیاسے تھی جو سیاہ خرابیں رات کی
ساحل سے سر پٹکتی تھیں موجیں فرات کی

ذیل کے شعر میں حسن مبالغہ ملاحظہ ہو ؎

گھر آنکھ سے نکل کے ٹھہر جاتے راہ میں
مڑ جاتیں لاکھ آ کے پلٹتے نگاہ میں

اس طرح تلمیح، مراعات النظیر اور دوسری صنائع کو بڑی خوبی کے ساتھ استعمال کئے ہیں۔ مگر کمال یہ ہے کہ ان کے استعمال

میں لکھنوی تصنع اور بناوٹ کا کہیں نام و نشان نہیں ہے انیس
کے انہیں کارناموں سے متاثر ہو کر حالی نے ایک بار کہا تھا ؎

اردو کو راج چار سو تیرا ہے
تحریر کی میں رواج کو سکہ تیرا ہے
پر جب تک انیس کا سخن ہے باقی
تو لکھنؤ کی ہے لکھنؤ تیرا ہے

حقیقت یہ ہے کہ میر انیس ان شاعرانہ خوبیوں کی بنا پر اگر یہ دعویٰ
کرتے ہیں تو غلط نہیں کرتے کہ ؎

سبک ہو چلی تھی ترازو ئے شعر
مگر میں نے پلہ گراں کر دیا